# مَلاكُ التأوِيل

تالیف: ابوجعفر احمد بن ابراہیم بن الزبیر الغرناطی
تلخیص و ترجمانی: ڈاکٹر صہیب بن عبدالغفار حسن

## سورة البقرة

**(۳۰) آیت ۱۶۴:**

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا......﴾

’’بے شک (نشانیاں ہیں عقلمند لوگوں کے لیے) زمین و آسمان کی پیدائش میں، رات دن کے آنے جانے میں، کشتی کے سمندر میں چلنے میں ان چیزوں کے ساتھ جو لوگوں کے لیے نفع بخش ہیں اور اس پانی میں جسے اللہ نے آسمان سے اتارا اور پھر اس سے اس زمین کو زندہ کیا جو مردہ ہو چکی تھی......‘‘

اور سورۃ العنکبوت کی آیت ۶۳ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ﴾

’’اور اگر تم ان سے پوچھو وہ کون ہے جس نے آسمان سے پانی کو اتارا اور پھر مردہ زمین کو اس سے زندہ کیا تو وہ کہیں گے: اللہ!‘‘

اور سورۃ الجاثیہ کی آیت ۵ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا......﴾

’’(اور نشانیاں ہیں) رات دن کے آنے جانے میں، اور اس رزق میں جو اللہ نے آسمان سے اتارا اور پھر مردہ زمین کو اس سے زندہ کیا......‘‘

یہاں یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں:

(۱) آیت العنکبوت میں ’’بَعْدِ مَوْتِهَا‘‘ سے پہلے ’مِنْ‘ ‘ کا اضافہ ہے جو باقی دو آیات میں نہیں ہے؟

(۲) آیت الجاثیہ میں ’’مَاء‘‘ کی جگہ آسمان سے اترنے والی چیز کو ’رِزْقٍ‘ ‘ کہا گیا اور باقی دونوں آیات میں ’’مَاء‘‘ سے تعبیر کیا گیا۔

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ آیت العنکبوت میں ’’مِنْ‘‘ کا اضافہ تاکید بیان کے لیے ہے۔ اس لفظ سے

قبل آیت میں ''نزّل'' کا لفظ آیا ہے اور ''نزّل'' باب تفعیل میں سے ہے جس میں مبالغہ اور کثرت پائی جاتی ہے' چنانچہ اس کی مناسبت سے ''مِنْ'' کا اضافہ کر دیا گیا' لیکن باقی دونوں آیات میں لفظ ''اَنْزَلَ'' لایا گیا ہے جس کے مفہوم میں تاکید نہیں پائی جاتی اور نہ ہی ان دونوں آیات میں ایسی کوئی زائد بات کہی گئی ہے جس کے بموجب ''مِنْ'' کا اضافہ کیا جاتا۔ اس لیے العنکبوت میں ''مِنْ'' کا ہونا اور باقی دو آیات میں ''مِنْ'' کا نہ ہونا ہی سیاق و سباق کے ساتھ مناسب تھا۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ قرآنی ترتیب کے لحاظ سے سورۃ الجاثیہ اخیر قرآن میں آ رہی ہے' اس لیے مناسب تھا کہ جو بات پہلے عمومی طور پر بیان کی گئی تھی اس کا بیان کر دیا جاتا۔

سورۃ النحل (آیت ۱۰) میں آسمان سے پانی اتارے جانے کا تذکرہ ہے اور پھر اس سے اگلی آیت (نمبر ۱۱) میں ارشاد فرمایا:

﴿یُنۡۢبِتُ لَکُمۡ بِہِ الزَّرۡعَ وَ الزَّیۡتُوۡنَ وَ النَّخِیۡلَ وَ الۡاَعۡنَابَ وَ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ﴾

''پھر اس (پانی) سے تمہارے لیے اُگاتا ہے کھیتی کو' زیتون' کھجور اور انگور کو اور تمام پھلوں کو۔''

اور سورۂ قٓ کی آیات (۹ تا ۱۱) میں ارشاد فرمایا:

﴿وَ نَزَّلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَکًا فَاَنۡۢبَتۡنَا بِہٖ جَنّٰتٍ وَّ حَبَّ الۡحَصِیۡدِ ۙ﴿۹﴾ وَ النَّخۡلَ بٰسِقٰتٍ لَّہَا طَلۡعٌ نَّضِیۡدٌ ﴿ۙ۱۰﴾ رِّزۡقًا لِّلۡعِبَادِ ۙ وَ اَحۡیَیۡنَا بِہٖ بَلۡدَۃً مَّیۡتًا ؕ﴾

''اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا' پھر اس سے اُگائے باغات' کٹی جانے والی غلے کی فصلیں' بلند و بالا کھجور کے درخت تہ بہ تہ خوشے والے' بندوں کی روزی کے لیے' اور اسی (پانی) سے ہم زندہ کر دیتے ہیں مردہ زمین کو۔''

اور یوں سورۃ الجاثیہ میں واضح کر دیا کہ آسمان سے اُترنے والا پانی دراصل تمہارے لیے رزق مہیا کرتا ہے یا یہ کہ وہ رزق کا سبب بنتا ہے۔ اور اس طرح ''پانی سے کیا مراد ہے'' اس کی وضاحت ہوگئی' جیسے کہ سورۃ الذاریات (آیت ۲۲) میں بھی فرمایا:

﴿وَ فِی السَّمَآءِ رِزۡقُکُمۡ وَ مَا تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۲۲﴾﴾

''اور آسمان میں تمہارا رزق بھی ہے اور وہ تمام چیزیں جن کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔''

## (۳۱) آیت ۱۷۰ :

﴿وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمُ اتَّبِعُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلۡفَیۡنَا عَلَیۡہِ اٰبَآءَنَا ؕ﴾

''اور جب ان سے کہا گیا کہ پیروی کرو اس چیز کی جسے اللہ نے نازل کیا ہے تو انہوں نے کہا: لیکن ہم تو اس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء کو پایا ہے۔''

اور سورۂ لقمان کی آیت ۲۱:

﴿وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمُ اتَّبِعُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَا وَجَدۡنَا عَلَیۡہِ اٰبَآءَنَا ؕ﴾

سوال یہ ہے کہ دونوں آیتوں کا مطلب بالکل ایک ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلی آیت میں ''اَلۡفَیۡنَا''

اور دوسری آیت میں ''وَجَدْنَا'' کا لفظ آیا ہے۔ تو یہ فرق کیوں واقع ہوا ہے؟

جواباً عرض ہے کہ ''اَلْفٰی'' وَجَدَ کے معنی میں آتا ہے' جیسے: ''وَجدتُ الضَّالَّةَ'' میں نے گمشدہ چیز کو پا لیا۔ اور اس صورت میں صرف ایک لفظ تک متعدی ہوسکتا ہے۔

لیکن ''وَجَدَ'' ''عَلِمَ'' کے معنوں میں بھی آتا ہے کہ جو دو لفظوں تک متعدی ہوسکتا ہے' اس کے مقابلے میں ''اَلْفٰی'' وَجَدَ (بمعنی عَلِمَ) کی طرح دو لفظوں تک متعدی نہیں ہوتا۔ بعض دفعہ کہا جاتا ہے: اَلْفَیْتُ زَیْدًا عَالِمًا (میں نے زید کو عالم پایا) لیکن یہاں ''عالِمًا'' مفعول ثانی نہیں ہے بلکہ حال کی بنا پر منصوب ہے اور اسی لیے وہ ہمیشہ نکرہ ہی آیا کرتا ہے۔

''وَجد'' اس لحاظ سے دو معنوں میں اشتراک رکھتا ہے۔ بمعنی عِلم' یعنی کسی چیز کو جان لینا' اور بمعنی وجدان یعنی کسی چیز کو پالینا' جیسا کہ اوپر کی مثال میں مذکور ہوا: ''وَجدتُ الضَّالَّةَ'' میں نے گمشدہ چیز کو پالیا۔

اب دیکھئے کہ سورۃ البقرۃ کی مذکورہ آیت سے پہلے کہا گیا:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۡ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ﴾ (آیت ۱۶۸)

''اے لوگو! زمین میں جو کچھ حلال اور طیب ہے اسے کھاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔''

اس کے بعد اگلی آیت میں فرمایا:

﴿اِنَّمَا یَاْمُرُکُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾﴾

''بے شک وہ تمہیں برائی کا اور فاحشہ کا حکم دیتا ہے اور اس بات کا کہ تم اللہ کے بارے میں وہ کچھ کہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔''

شیطان کے قدم اور شیطان کے احکامات گمراہ کن خواہشات کا نام ہے جن کا علم سے دور کا بھی واسطہ نہیں' گویا یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ شیطان ہے جو انہیں ان باتوں کا حکم دیتا ہے اور اللہ کے بارے میں وہ باتیں کہنے پر اُکساتا ہے جو وہ نہیں جانتے' اور حاصل کلام یہ ہوا کہ ان لوگوں کے پاس نہ علم تھا اور نہ ہی علم کا شائبہ' صرف وہ اپنے باپ دادوں کی پیروی کرتے تھے اور وہ بھی تمام شیطانی کاموں میں۔

اور یوں ان کی زبان سے یہ قول مناسبت رکھتا ہے:

﴿بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا﴾

کیونکہ انہوں نے اپنے آباء واجداد کو جس چیز پر پایا تھا اس سے علم کا کوئی تعلق نہ تھا' نہ ہی علم کا اور نہ ہی شائبہ علم کا۔

ان کا یہ جواب ان کے حال کی عکاسی کرتا ہے۔

اور جہاں تک سورۃ لقمان کا تعلق ہے تو وہاں ان کے اس قول سے پہلے یہ کہا گیا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًی وَّلَا کِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ﴿۲۰﴾﴾

''اور لوگوں میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں جو اللہ کے بارے میں بغیر کسی علم' ہدایت یا روشن کتاب کے بحث کرتے ہیں۔''

یہاں علم کا ذکر ہے چاہے منفی نوعیت کے انداز میں۔ وہ لوگ اس گمان کی بنا پر بحث ومجادلہ کر رہے تھے کہ

ان کے پاس اس بارے میں علم پایا جاتا ہے' جیسا کہ سورۃ المجادلہ کی آیت میں ایسے لوگوں کے بارے میں کہا گیا:

﴿وَيَحۡسَبُونَ اَنَّهُمۡ عَلٰى شَيۡءٍ ؕ﴾ (آیت ۱۸)

''اور وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ کسی چیز پر (کھڑے) ہیں۔''

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ بحث و جدال کرنے والا ہمیشہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ علم کی بنا پر بات کر رہا ہے اور اس لحاظ سے ایسے لوگوں کے منہ سے یہ کہنا مناسب لگتا ہے:

﴿بَلۡ نَتَّبِعُ مَا وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَ نَا﴾

اور وہ اس لیے کہ لفظ ''وَجَدَ'' بمعنی علم بھی آتا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ایک دوسرا جواب یہ ہے کہ لفظ ''اَلۡفٰی'' میں بنسبت ''وَجَدَ'' کے زیادہ حروف ہیں' اور سورۃ البقرۃ کی طوالت کو دیکھتے ہوئے وہاں ''اَلۡفٰی'' زیادہ مناسب تھا اور سورۃ لقمان کے اختصار کو دیکھتے ہوئے اس سورت میں ''وَجَدَ'' مناسبت رکھتا تھا اور اس بات کا تعلق بلاغت سے ہے جہاں الفاظ کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے۔

اور یوں لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے مناسبت واضح ہوگئی۔

---

**اضافہ از مترجم:** مولانا عبدالرحمٰن کیلانی نے اپنی کتاب ''مفردات القرآن'' میں ''وَجَدَ'' اور ''اَلۡفٰی'' کے مابین فرق کے ضمن میں لکھا ہے کہ وَجَدَ کسی چیز کو موجود دیکھنے کے لیے عام ہے اور ہر جگہ استعمال ہوسکتا ہے' جیسے' فرمایا:

﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيۡهَا زَكَرِيَّا الۡمِحۡرَابَ ۙ وَجَدَ عِنۡدَهَا رِزۡقًا ۚ﴾ (آل عمران:۳۷)

''زکریاؑ جب کبھی مریم کے پاس آتے ان کی عبادت گاہ میں تو ان کے پاس رزق پاتے۔''

اور اَلۡفٰی بمعنی کسی چیز کے آگے سے حجاب دور ہونا اور اس کا ظاہر ہو جانا' یا کسی چیز کا ازخود علم میں آ جانا۔فرمایا:

﴿وَاسۡتَبَقَا الۡبَابَ وَقَدَّتۡ قَمِيۡصَهٗ مِنۡ دُبُرٍ وَّاَلۡفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الۡبَابِ ؕ﴾ (یوسف: ۲۵)

''اور وہ دونوں دروازے کی طرف بھاگے اور عورت نے ان کا کرتہ پیچھے سے پکڑ کر کھینچا اور اسے پھاڑ ڈالا اور دونوں کو دروازے کے پاس عورت کا خاوند مل گیا۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلۡفَيۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَ نَا﴾

اس آیت میں اَلۡفٰی کا استعمال اس لحاظ سے ہوا ہے کہ یہ چیز انہیں نسلاً بعد نسل ورثہ میں ملی تھی۔ دوسرے مقام پر ''اَلۡفٰی'' کی جگہ ''وَجَدَ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جو ''وَجَدَ'' کی عمومیت پر دلالت کرتا ہے۔ فرمایا: ﴿قَالُوۡا حَسۡبُنَا مَا وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَ نَا ؕ﴾(المائدۃ: ۱۰۴) ''کہتے ہیں جس طریقے پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا وہی ہمیں کافی ہے۔''

## (۳۲) آیت ۱۷۲۔۱۷۳ :

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا لِلّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ اِيَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۱۷۲﴾

﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةَ وَالدَّمَ وَلَحۡمَ الۡخِنۡزِيۡرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيۡرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَيۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۷۳﴾﴾

''اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دی ہیں ان میں سے کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اُسی کی عبادت کرتے ہو۔ بے شک اُس نے تمہارے اوپر مردہ گوشت' (بہتا ہوا) خون' سور کا گوشت اور وہ (حیوانات) جن پر اللہ کے سوا کسی کا نام لیا گیا ہو' حرام قرار دیا ہے۔ اور جو شخص مجبور ہو جائے تو اسے (ان کے کھانے) پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ (کھانے کی) خواہش نہ رکھتا ہو اور نہ ہی (کھانے میں) زیادتی کرنے والا ہو۔''

اس آیت سے ملتی جلتی تین اور آیتیں ہیں جن میں ''وَمَآ اُهِلَّ لِغَيۡرِ اللّٰهِ بِهٖ'' وارد ہوا ہے۔ پہلی سورۃ المائدۃ کی:

﴿حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةُ وَالدَّمُ وَلَحۡمُ الۡخِنۡزِيۡرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيۡرِ اللّٰهِ بِهٖ......﴾ (آیت ۳)

''حرام کیا گیا ہے تم پر مردار' (بہتا ہوا) خون' سور کا گوشت اور (وہ جانور) جس پر پکارا گیا ہو اللہ کے سوا کسی اور کا نام......''

دوسری سورۃ الانعام کی:

﴿قُلۡ لَّاۤ اَجِدُ فِىۡ مَاۤ اُوۡحِىَ اِلَىَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطۡعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ مَيۡتَةً اَوۡ دَمًا مَّسۡفُوۡحًا اَوۡ لَحۡمَ خِنۡزِيۡرٍ فَاِنَّهٗ رِجۡسٌ اَوۡ فِسۡقًا اُهِلَّ لِغَيۡرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ﴾ (آیت ۱۴۵)

''آپ کہہ دیجیے کہ جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ان میں تو میں کوئی حرام نہیں پاتا کسی کھانے والے کے لیے جو اس کو کھائے' مگر یہ کہ وہ مردار ہو یا کہ بہتا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو' کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو شرک کا ذریعہ ہو کہ غیر اللہ کے نام پر مخصوص کیا گیا ہو۔''

اور تیسری آیت سورۃ النحل کی:

﴿فَكُلُوۡا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ اِيَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةَ وَالدَّمَ وَلَحۡمَ الۡخِنۡزِيۡرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيۡرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ﴾ (آیت ۱۱۴)

''پس جو کچھ حلال اور پاکیزہ روزی اللہ نے تمہیں دے رکھی ہے اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اُسی کی عبادت کرتے ہو۔ بے شک اس نے تم پر صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام پکارا جائے حرام قرار دیا ہے۔''

ان آیات میں پانچ سوالات اُبھرتے ہیں:

(۱) سورۃ البقرۃ کی آیت میں ضمیر ''بہٖ'' کی تقدیم ہے جبکہ باقی تین آیات میں تاخیر ہے۔

(۲) البقرۃ کی آیت میں خاص طور پر ''فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ'' کا ذکر ہے۔

(۳) الانعام کی آیت میں خاص طور پر ''فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ'' آیا ہے۔

(۴) سورۃ المائدۃ میں ان چار حرام چیزوں کے بعد مزید محرمات کا ذکر ہے۔

(۵) سورۃ المائدہ میں ان محرمات کے بعد یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿فَمَنِ اضۡطُرَّ فِىۡ مَخۡمَصَةٍ غَيۡرَ مُتَجَانِفٍ

لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝﴾ جن کا مطلب ہے ’’پس جو شخص شدت کی بھوک میں بے قرار ہو جائے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بہت بڑا مہربان ہے۔‘‘

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ عربوں کا قاعدہ تھا کہ اگر کسی چیز کا خاص خیال ہوتا یا اس کی زیادہ اہمیت ہوتی یا اس کے لیے تکریم پائی جاتی تو اس چیز کو یا اس کی ضمیر کو پہلے ذکر کیا جاتا' تاکہ اس کی اہمیت کو واضح کیا جا سکے۔

دیکھئے کہ ایک کہنے والا کہتا ہے: اِيَّاكَ أَعْنِيْ (تجھ ہی کو میں اشارہ کر رہا ہوں)

اور جواباً دوسرا کہتا ہے: وَعَنْكَ اُعْرِضُ (اور تجھ ہی سے میں منہ پھیرتا ہوں)

سیبویہ نے یہ رجزیہ کلام بطورِ دلیل لکھا ہے:

لَتَقْرَبَنَّ قَرَبًا جلذيًّا ما دَامَ فِيهِنَّ فَصِيلٌ حَيًّا

فَقَدْ دَجَا اللَّيْلُ فَهَيًّا هَيًّا

’’تمہیں (پانی کی تلاش میں) میں جلد جلد بھاگنا ہوگا جب تک کہ ریوڑ میں ایک بھی اونٹ کا بچہ باقی ہے۔
پس رات قریب آ چکی ہے تو پھر آؤ بھاگیں!‘‘

یہاں ’’فِيهِنَّ‘‘ ضمیر کی تقدیم سے وہ زور پیدا ہوا ہے جو اس کی تاخیر سے پیدا نہ ہوتا۔

اور فرمایا:

☆ ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۝﴾ (الاخلاص) : ’’اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے‘‘

☆ ﴿فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ﴾ (یونس:۵۸) : ’’اور پھر اس پر انہیں خوش ہونا چاہیے۔‘‘

☆ ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۝﴾ (الفاتحة): ’’تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔‘‘

اور ضمائر' ظروف زمان اور مجرورات میں اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں۔ فرمایا:

☆ ﴿وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ۝۲۰﴾ (یوسف) : ’’اور وہ تو اس کے بارے میں بہت بے رغبت تھے۔‘‘

☆ ﴿اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ۝۱۶۸﴾ (الشعراء) : ’’میں تمہارے اس کام سے سخت ناخوش ہوں۔‘‘

سیبویہ کہتا ہے کہ عرب اُس چیز کو جسے اہم سمجھتے تھے اور جس کا بیان کرنا زیادہ ضروری سمجھتے تھے' پہلے بیان کرتے تھے۔ اب ملاحظہ کیجیے کہ آیت سورۃ البقرۃ سے پہلے دو نعمتوں کا بیان ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ﴾ (آیت ۱۶۸)

’’اے لوگو! زمین میں جو کچھ حلال اور طیب ہے اس میں سے کھاؤ۔‘‘

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۝۱۷۲﴾

’’اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں انہیں کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔‘‘

یہاں پہلے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان ہوا ہے' وہ نعمتیں جو مباح کے درجے میں ہیں اور پھر ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے کے لیے کہا گیا ہے اور پھر ’’اِنَّمَا‘‘ کے صیغے کے ساتھ چار حرام چیزوں کا بیان کیا گیا ہے۔ ’’اِنَّمَا‘‘ کے

صیغے سے دو باتوں کا احاطہ ہو گیا۔ ایک تو حصر کا‘ یعنی یہی چار چیزیں حرام ہیں جبکہ مباح چیزیں بے شمار ہیں جن کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا اور پھر مفہومِ مخالف یا دلیل خطاب کے ذریعے یہ بات اور زیادہ مؤکد ہوتی چلی گئی ہے۔

(مفہوم مخالف کا مطلب یہ ہے کہ جیسے استاد طلبہ کو مخاطب کر کے کہے کہ انعام محنتی طلبہ کو ملے گا‘ تو اس کا مفہوم یہ ہوا کہ غیر محنتی طلبہ کے لیے انعام نہیں ہوگا۔)

اب ملاحظہ ہو کہ مفہوم کا اعتبار کہاں شدت سے ہوتا ہے اور کہاں نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک حدیث میں کہا گیا: ((اِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ)) ”حق ولاء (وراثت) صرف اُس کے لیے ہے جس نے غلام کو آزاد کیا ہو“۔ اب اس کلام کا مفہوم ان دو احادیث سے زیادہ قوی ہے جو ”اِنَّمَا“ کے بغیر بیان ہوئی ہیں‘ جیسے: ((فِيْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ الْعُشْرُ)) ”ہر وہ فصل جو بارش سے پروان چڑھے‘ اس میں عشر واجب ہے“ یا ((فِيْ سَائِمَةِ الْغَنَمِ الزَّكَاةُ)) ”چرنے والی بکریوں میں زکوٰۃ واجب ہے۔“

اور چونکہ اس آیت میں محرمات کے بیان میں وہ تاکید پائی گئی جو دوسری آیات میں نہیں ہے اس لیے ”بِہٖ“ کی ضمیر کو پہلے لایا گیا (وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ)۔ گویا یوں کہا جا رہا ہے کہ اللہ نے تم پر مردار‘ خون‘ سور کا گوشت اور وہ سب حرام قرار دیا ہے جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ ”مَآ اُهِلَّ بِهٖ“ کہہ کر بقیہ تین چیزوں کے ساتھ چوتھی چیز (یعنی جس پر نام لیا گیا ہے) کا ذکر مربوط کر دیا گیا ہے اور آخر میں ”لِغَيْرِ اللّٰهِ“ کہہ کر بتا دیا گیا کہ اس نام سے مراد اللہ کے سوا کسی اور چیز کا نام ہے۔

مزید وضاحت کے لیے یوں کہا جا سکتا ہے کہ ”وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ“ تک زور اس بات پر ہے کہ اس چیز پر نام لیا گیا ہے‘ اور پھر قاری کے ذہن میں جستجو ہو گی کہ کس کا نام لیا گیا ہے کہ یہ چیز حرام اشیاء کے ضمن میں بیان ہو رہی ہے؟ تو فوراً کہہ دیا گیا: لِغَيْرِ اللّٰهِ ”اللہ کے سوا کسی اور چیز کا۔“

باقی تینوں آیات میں چونکہ یہ تفصیل نہ تھی اس لیے ضمیر کو پہلے نہیں لایا گیا‘ بلکہ ضمیر جہاں آنی چاہیے یعنی آخر کلام میں وہیں لائی گئی۔ اور چونکہ اس آیت میں وہ کچھ تفصیل ہے جو دوسری آیات میں نہیں اس لیے اس کے آخر میں ”فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ“ کا اضافہ کر دیا گیا۔ یعنی جہاں کلام میں پہلے ہی تفصیل ہو تو وہاں مزید تفصیل میں کوئی حرج نہیں اور جہاں کلام مختصر ہو تو وہاں سارے کلام میں اختصار ہی ملحوظ رکھا جاتا ہے اور اس طرح دوسرے سوال کا جواب بھی آ گیا۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ آیت (جس میں چاروں حرام چیزوں کا ذکر ہے) سے پہلے مشرکین کو ان کے شرک پر ڈانٹ پلائی گئی ہے‘ خاص طور پر ان جانوروں کے بارے میں جنہیں وہ اپنے اوپر حرام قرار دیتے تھے اور پھر یہ فرمایا:

﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾﴾ (الانعام)

”کیا تم حاضر تھے جس وقت اللہ نے تمہیں اس بات کا حکم دیا تھا؟ تو اس سے زیادہ اور کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے تاکہ لوگوں کو بغیر علم کے گمراہ کرے۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو راستہ نہیں دکھاتا۔“

پھر اس کے بعد آیت ۱۴۵ ہے جس میں ارشاد فرمایا:

﴿قُلۡ لَّاۤ اَجِدُ فِیۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطۡعَمُہٗۤ اِلَّاۤ اَنۡ یَّکُوۡنَ مَیۡتَۃً اَوۡ دَمًا مَّسۡفُوۡحًا اَوۡ لَحۡمَ خِنۡزِیۡرٍ فَاِنَّہٗ رِجۡسٌ اَوۡ فِسۡقًا اُہِلَّ لِغَیۡرِ اللّٰہِ بِہٖ ۚ﴾

اور آخر میں ارشاد فرمایا:

﴿فَمَنِ اضۡطُرَّ غَیۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّکَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۴۵﴾﴾ (الانعام)

(آیت کا ترجمہ پہلے گزر چکا ہے)

سوال یہ تھا کہ اس آیت کے آخر میں خاص طور پر کہا گیا: ﴿فَاِنَّ رَبَّکَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۴۵﴾﴾

عربی میں اس اسلوب بیان کو التفات کہا جاتا ہے۔

یعنی ''فِیۡمَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیَّ'' (جو مجھ پر وحی کی گئی) کی مناسبت سے یہاں ''فَاِنَّ رَبِّیۡ'' یا ''فَاِنَّ اللّٰہَ'' ہونا چاہیے تھا، لیکن اس کے بجائے خطاب کا صیغہ لایا گیا اور کہا گیا: ''فَاِنَّ رَبَّکَ''۔ اسے ''التفات'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ یکدم خطاب کو ایک صیغے سے دوسرے صیغے کی طرف موڑ دیا گیا ہے، اور اس طرح کلام میں حسن پیدا ہوتا ہے اور اسے سمجھنے میں زیادہ شوق پیدا ہوتا ہے، اور یہاں یہ بھی ملاحظہ ہو کہ بجائے ''اللّٰہ'' کے ''رَبّ'' لایا گیا تاکہ مشرکین کے شرک کے مقابلے میں اللہ کی ربوبیت کی طرف اشارہ ہو جائے، اور پھر ''رَبَّکَ'' (تیرا ربّ) کہہ کر نبی ﷺ کی عظمت کو ابھارا گیا۔

یہاں اگر ربوبیت کا اظہار زیادہ مناسب تھا تو ایک دوسری جگہ کفار کے تکبر اور رعونت کے مقابلے میں لفظ ''اللہ'' کو لانا مناسب سمجھا گیا، جیسے سورۂ محمد میں کفار کو تباہ و برباد کرنے کے تذکرے کے بعد فرمایا:

﴿ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ مَوۡلَی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَاَنَّ الۡکٰفِرِیۡنَ لَا مَوۡلٰی لَہُمۡ ﴿۱۱﴾﴾

''اور وہ اس لیے کہ اللہ ایمان والوں کا دوست ہے اور کفار کا کوئی دوست نہیں۔''

اور اس طرح سورۃ الانعام کی آیت کے آغاز اور اختتام میں مناسبت واضح ہوگئی۔

چوتھا اور پانچواں سوال سورۃ المائدۃ کے بارے میں ہے کہ اس میں صرف چار حرام چیزوں کا ذکر نہیں بلکہ مزید حرام چیزوں کا بھی ذکر ہے اور آخر میں صرف اضطرار کا ذکر نہیں بلکہ اس کے ساتھ ﴿فِیۡ مَخۡمَصَۃٍ غَیۡرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثۡمٍ﴾ کا اضافہ بھی ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ المائدۃ کی یہ آیات اُن آیات میں سے ہے جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے آخر میں نازل ہوئیں اور اس لیے ان چار چیزوں کے ساتھ باقی حرام چیزوں کا بھی ذکر کر دیا گیا تاکہ کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے، اور جس طرح یہاں باقی دوسری آیات کے مقابلے میں محرمات کی تفصیل ذرا زیادہ ہے، اسی طرح یہاں اضطرار کی بھی تفصیلی شکل پیش کر دی گئی، یعنی یہ اضطرار بھوک کی بنا پر ہے اور حرام کھانے والے میں گناہ کی طرف میلان نہیں ہے۔

چونکہ اس آیت سے قبل ﴿اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ﴾ کی نوید بھی سنائی گئی تھی اس لیے مناسب تھا کہ محرمات اور اضطرار کی شکل، دونوں کی تفصیل بیان کی جاتی تاکہ کوئی اشکال باقی نہ رہ جائے۔

**(۳۳) آیت ۱۵۹:**

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾﴾

''بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں ان دلائل اور (براہین) ہدایت کو جنہیں ہم نے اتارا ہے' باوجودیکہ ہم نے انہیں (اپنی) کتاب میں لوگوں کے لیے بیان کر دیا ہے' ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ لعنت بھیجتے ہیں اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔''

اور پھر پندرہ آیات کے بعد ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾﴾

''بے شک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں وہ چیز جو اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کی ہے اور اس کے بدلے معمولی قیمت سے اسے بیچ دیتے ہیں' ایسے لوگ اپنے پیٹوں میں صرف آگ کھا رہے ہیں' اللہ قیامت کے دن ان سے نہ بات کرے گا اور نہ ہی انہیں پاک کرے گا' اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

پھر سورۂ آل عمران کی آیت ۷۷ میں ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾﴾

''بے شک جو لوگ اللہ سے کیے گئے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں' اللہ تعالیٰ نہ تو ان سے بات چیت کرے گا' نہ ان کی طرف قیامت کے دن دیکھے گا' نہ انہیں پاک کرے گا' اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

یہاں سوال کرنے والا یہ سوال کر سکتا ہے کہ سورۃ البقرۃ کی دونوں آیات میں ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ﴾ کہہ کر ان کے وحی الٰہی کو چھپانے کا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا ہے' جبکہ بظاہر سورۂ آل عمران کی آیت میں بھی انہی لوگوں کا ذکر ہے لیکن وہاں چھپانے کا ذکر نہیں ہے' اور دوسری بات یہ ہے کہ باوجودیکہ ان کے جرم کی نوعیت ایک جیسی ہے لیکن انہیں دی جانے والی سزا میں تھوڑا سا اختلاف پایا جاتا ہے' اور تیسری بات یہ ہے کہ جرم اور سزا کے اعتبار سے ہر آیت کا کیا خاص مقام ہے؟

پہلی دو آیات کے بارے میں ہم یہ کہیں گے کہ ان آیات سے قبل اسی سورت میں یہ حکم گزر چکا ہے:

﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾﴾ (البقرۃ)

''اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور نہ حق کو چھپاؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔''

یہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں حق کو چھپانے سے منع کیا ہے لیکن اس کے بعد کسی سزا کا ذکر نہیں ہے بلکہ وہ چیزیں بتائی گئی ہیں کہ جن سے انہیں نجات حاصل ہو سکتی ہے' پھر بڑی نرمی سے انہیں اہل تقویٰ کا راستہ اپنانے کی ہدایت کی جا رہی ہے۔ فرمایا:

﴿وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارۡكَعُوۡا مَعَ الرّٰكِعِيۡنَ ﴿۴۳﴾﴾ (البقرۃ)

''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔''

ملاحظہ ہو کہ یہاں اُن کے جرم کتمان اور دوسرے جرائم کا ذکر موجود ہے' لیکن انہیں نیکی کی دعوت دی جارہی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے حلم اور بردباری کا اظہار ہوتا ہے۔ پھر جب ان لوگوں پر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا' بلکہ تنبیہ آجانے کے باوجود انہوں نے حق کو چھپانے کے جرم کا ارتکاب کیا تو پھر سورۃ البقرۃ ہی میں ﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ يَكۡتُمُوۡنَ مَآ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡبَيِّنٰتِ وَالۡهُدٰى﴾ کہہ کر ان کی سزا کا ذکر کیا گیا کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور بندوں کی طرف سے لعنت شامل ہے' اور لعنت کا مطلب ہی ہے اللہ کی رحمت سے دوری اور دھتکارا جانا۔ البتہ یہاں ان لوگوں کے لیے رحمت کی نوید بھی سنائی گئی جو توبہ کر لیتے ہیں اور پھر اپنی اصلاح بھی کر لیتے ہیں' اور کتمانِ حق کے جرم کے بعد بیانِ حق کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

پھر اس کے بعد سورۃ البقرۃ کی اگلی آیت میں انہی لوگوں کا تذکرہ ہے جو کتمانِ حق کے جرم کے علاوہ ایک دوسرے جرم کا بھی ارتکاب کرتے ہیں اور وہ ہے قرآن کی آیات کو دنیا کی متاعِ حقیر کے عوض بیچ ڈالنا' اور چونکہ یہاں ایک مزید جرم کا تذکرہ تھا اس لیے سزا میں بھی ایک اور چیز کا اضافہ کر دیا گیا۔ فرمایا:

﴿اُولٰٓئِكَ مَا يَاۡكُلُوۡنَ فِىۡ بُطُوۡنِهِمۡ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيۡهِمۡ ۖۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۱۷۴﴾﴾

یہاں چار سزاؤں کا ذکر ہے:

(۱) اپنے پیٹوں کو آگ سے بھریں گے'

(۲) قیامت کے دن اللہ ان سے بات نہ کریں گے'

(۳) ان کی تطہیر نہ کریں گے'

(۴) ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اور پھر اس آیت میں توبہ کا ذکر نہیں ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایسے لوگوں کے لیے توبہ کا دروازہ نہیں کھلا ہے' بلکہ توبہ کا ذکر نہ کر کے ان کے جرائم کی سنگینی دکھلانا مقصود ہے۔ دیکھئے! یہاں ان کی تطہیر (تزکیہ) کے نہ کرنے کا ذکر ہے' کیونکہ تزکیہ کا مطلب ہے کسی کو گناہوں سے پاک کرنا جو کہ توبہ نصوح کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے۔ یہاں توبہ کا ذکر اس لیے بھی مناسب نہ تھا کہ اگلی آیت میں ان کی اُخروی حالت کا بھی یوں بیان ہو رہا ہے۔ فرمایا:

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالۡهُدٰى وَالۡعَذَابَ بِالۡمَغۡفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصۡبَرَهُمۡ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾﴾

''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو اور مغفرت کے بدلے عذاب کو خرید ڈالا' تو اب یہ لوگ آگ کا عذاب کیسے برداشت کیے ہوئے ہیں!''

چونکہ بالآخر ان کی یہ حالت ہونے والی تھی اس لیے یہاں توبہ کا ذکر مناسب نہ تھا۔ اب آیئے اس بات کی طرف کہ یہاں خاص طور پر اپنے پیٹوں میں آگ کھانے کا ذکر کیوں ہے؟ اور وہ اس لیے کہ اس آیت سے قبل

دو دفعہ اکل حلال کا ذکر ہے۔ فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ﴾ (آیت ۱۶۸)

''اے لوگو! زمین میں جو کچھ حلال اور پاکیزہ ہے اسے کھاؤ۔''

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ (البقرۃ:۱۷۲)

''اے ایمان والو! ہم نے جو پاکیزہ چیزیں تمہیں عطا کی ہیں' ان میں سے کھاؤ۔''

بتا دیا گیا کہ کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے؟

اور چونکہ یہاں کھانے کا ذکر تھا تو پھر ان کھانے والوں کا بھی تذکرہ کر دیا جو اللہ کی آیات میں تحریف اور تغییر کر کے اپنی کمائی کو برباد کرتے ہیں اور پھر ان کا کھانا پینا بھی خباثت کا آئینہ دار ہو جاتا ہے۔ گویا اگر ان کی آنکھوں پر سے پردہ اٹھا دیا جائے تو وہ دیکھ سکیں گے کہ وہ تو آگ کو کھا رہے ہیں۔ اور یہاں بُطون (پیٹ) کا ذکر کیا تو یہاں ''اَکَلَ'' بمعنی ''جَعَلَ'' ہوگا' کیونکہ عموماً آگ کو کھایا نہیں جاتا۔ تو مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے پیٹوں میں اپنی گندی تجارت کی بنا پر آگ کو جگہ دے رہے ہیں۔ اسی طرح کی بات ایک دوسری آیت میں ارشاد فرمائی:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۖ وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ۝۱۰﴾ (النساء)

''بے شک جو لوگ یتیموں کے مال کو بربنائے ظلم کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ کو کھا رہے ہیں۔''

یہاں بھی بظاہر لفظ ''اَکَلَ'' لایا گیا ہے لیکن ''جَعَلَ'' کے معنی میں ہے' اور سیاق وسباق سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ ہمارے کہنے کا طلب یہ ہے کہ بعض دفعہ ایک لفظ لایا جاتا ہے جس کا اپنا ایک معنی ہوتا ہے' لیکن وہ لفظ اپنے سیاق وسباق کے اعتبار سے ایک دوسرے معنی کو لازم ہوتا ہے کہ جس سے اصل مقصود ظاہر ہو جاتا ہے۔

تیسرے سوال کے جواب میں عرض ہے کہ سورۂ آل عمران کی آیت میں جن لوگوں کی جزا کا ذکر کیا گیا ہے ان میں بظاہر کتمانِ حق کا وصف بیان نہیں ہوا ہے' لیکن اگلی آیت میں ایک ایسا وصف بتایا گیا ہے جو کتمانِ حق کو لازم ہے۔ فرمایا:

﴿وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِیْقًا یَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَیَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَیَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝۷۸﴾

''یقیناً ان میں ایک ایسا گروہ بھی ہے جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبان مروڑتا ہے تاکہ تم اسے کتاب ہی کی عبارت خیال کرو حالانکہ وہ دراصل کتاب میں سے نہیں۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے' اور وہ جانتے بوجھتے اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔''

اور ایک آیت قبل ان کے ایک اور قبیح وصف کا بیان ہوا۔ فرمایا:

﴿وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ یُّؤَدِّهٖۤ اِلَیْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِیْنَارٍ لَّا یُؤَدِّهٖۤ اِلَیْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَیْهِ قَآىِٕمًا ۖ﴾ (آیت ۷۵)

’’بعض اہلِ کتاب تو ایسے ہیں کہ اگر انہیں تو ڈھیر سارے مال کا امین بنا دے تو بھی وہ تجھے واپس کر دیں گے‘ اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تو انہیں ایک دینار بھی بطور امانت دے تو تجھے ادا نہ کریں گے اِلا یہ کہ تو ان کے سر پر کھڑا رہے۔‘‘

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ سورۂ آل عمران کی آیات میں وہی سزائیں بیان ہوئی ہیں جو سورۃ البقرۃ کی آیات میں بیان ہوئیں‘ اور دونوں جگہ گو الگ الگ لوگ مراد ہیں لیکن دونوں طرح کے لوگوں میں ایک وصف مشترک ہے اور وہ ہے کتمانِ حق۔

## (۳۴) آیت ۱۸۷ :

﴿وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ﴾

’’اور ان سے مباشرت نہ کرو جبکہ تم مسجدوں میں حالت اعتکاف میں ہو‘ یہ اللہ کی حدیں ہیں ان کے قریب بھی نہ جاؤ۔‘‘

پھر اسی سورت کی آیت ۲۲۹ میں ارشاد فرمایا:

﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ﴾ ’’یہ اللہ کی حدیں ہیں‘ انہیں تجاوز نہ کرو۔‘‘

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں ’’فَلَا تَقْرَبُوْهَا‘‘ کہا گیا اور دوسری جگہ ’’فَلَا تَعْتَدُوْهَا‘‘ کہا گیا تو اس فرق کی وجہ کیا ہے؟

اس کا جواب یوں دیا جا سکتا ہے (واللہ اعلم) کہ اگر کسی چیز کے قریب جانے سے بھی منع کر دیا گیا ہو تو اس چیز کے شدت سے حرام ہونے کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر عورتوں کی قربت حاصل ہوگی تو پھر ان سے تعلق قائم کرنے کی تحریک بھی واقع ہو سکتی ہے۔ اور اکثر لوگ اپنی خواہش پر قابو پانے میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے حضرت عائشہ ؓ نے کہا تھا کہ ’’رسول اللہ ﷺ روزے کی حالت میں میرا بوسہ لیا کرتے تھے‘ وہ اس لیے کہ وہ اپنی خواہش پر پوری طرح قابو رکھتے تھے‘ لیکن تم میں سے کون ہے جو اپنی خواہش پر اتنا قابو رکھتا ہو؟‘‘ (بخاری‘ ترمذی‘ دارمی)

اب چونکہ جس حرام چیز کی طرف یہاں اشارہ کیا جا رہا ہے اور وہ ہے عورت سے جنسی تعلق قائم کرنا‘ تو جو چیز بھی اس کا سبب بن سکتی ہو یعنی عورت کی قربت حاصل کرنا‘ تو اس سے بھی منع کر دیا گیا۔ ملاحظہ کریں کہ یہی الفاظ اسی فعل کی ممانعت کے ضمن میں دوسری جگہ بھی وارد ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حائضہ عورتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ﴾ (البقرۃ:۲۲۲)

’’اور ان کے قریب بھی نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں۔‘‘

اور فرمایا:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى﴾ (الاسراء:۳۲) ’’اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔‘‘

اور یہی وجہ ہے کہ حالت احرام میں خوشبو لگانے سے منع کیا گیا‘ کیونکہ اس کی وجہ سے شہوت بھڑک سکتی

ہے۔ چنانچہ جہاں حرام چیز کی شدت بیان کرنا مقصود ہو‘ چاہے وہ مذکورہ قسم میں سے ہو یا مالی امور سے متعلق ہو‘ تو وہاں اس طرح کے الفاظ آتے ہیں کہ ”اس چیز کے قریب تک نہ جاؤ“۔ اس کے برخلاف جہاں صرف حلال و حرام میں فرق کرنا مقصود ہو نہ کہ حرام چیز کی شدت کو بیان کرنا تو وہاں صرف حد کو نہ پھلانگنے کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔

آیت ۲۲۹ (فَلَا تَعۡتَدُوۡهَا) سے قبل طلاق کے احکامات بیان ہو رہے تھے‘ جس کا آغاز اس آیت سے ہوا: ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ ”طلاق دو مرتبہ ہے“۔ پھر خلع کا بیان ہوا۔ ارشاد فرمایا:

﴿فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا فِيۡمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ ؕ﴾ (۲۲۹)

”پھر اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدوں کو قائم نہ کر سکیں گے تو پھر ان پر کوئی حرج نہیں اس (عوض) کے بارے میں جسے دے کر عورت چھٹکارا حاصل کرے۔“

اس کے بعد ارشاد فرمایا:

﴿تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ فَلَا تَعۡتَدُوۡهَا ۚ﴾ ”یہ اللہ کی حدیں ہیں انہیں مت تجاوز کرو“

ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مَردوں پر عورتوں کے مال حرام ہیں‘ اِلا یہ کہ ان سے نشوز اور نافرمانی واقع ہوئی ہو‘ اور پھر اگر مرد اور عورت میں حقوق کا احترام نہ کیا جا رہا ہو‘ اور ان میں سے ایک کو یا دونوں کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ وہ اللہ کی وضع کردہ حدود کی پابندی نہ کر سکیں گے‘ اور پھر مرد کی طرف سے عورت کو ضرر پہنچانے کا قصد بھی نہ ہو‘ تو ایسی صورت میں مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ عورت سے کچھ مال لے کر اسے شادی کے بندھن سے آزاد کر دے‘ یعنی:

﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا فِيۡمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ ؕ﴾

”تو پھر ان دونوں پر کوئی حرج نہیں اس (مال) کے بارے میں جسے دے کر عورت چھٹکارا حاصل کر سکے۔“

یہاں صرف حلال اور حرام کا معاملہ ہے‘ بیچ میں کوئی واسطہ نہیں ہے‘ نہ ہی یہاں کوئی ایسی چیز ہے جو حرام کا سبب بنتی ہو کہ اس کی حرمت کی شدت کی طرف اشارہ کیا جائے‘ اور اس لیے یہاں صرف حد کو نہ پھلانگنے کا ذکر کافی ہے‘ یعنی حلال کی حد میں رہو‘ حرام تک تجاوز نہ کرو۔ اور اس وضاحت کے بعد عیاں ہو گیا کہ یہ دونوں الفاظ موقع اور محل کے اعتبار سے پوری پوری مناسبت رکھتے ہیں۔

## (۳۵) آیت ۱۹۳ :

﴿وَقٰتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّيَكُوۡنَ الدِّيۡنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انۡتَهَوۡا فَلَا عُدۡوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۹۳﴾﴾

”اور ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے (غالب) ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آ جائیں تو پھر زیادتی صرف ظالموں پر ہی کی جا سکتی ہے۔“

اور پھر سورۃ الانفال کی آیت ۳۹ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَقَاتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّيَكُوۡنَ الدِّيۡنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انۡتَهَوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۳۹﴾﴾

’’اور ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سارا کا سارا اللہ کے لیے ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آ جائیں تو اللہ دیکھنے والا ہے ان سب اعمال کو جو وہ کر رہے ہیں۔‘‘

یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں:

سورۃ الانفال میں ﴿وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ کہہ کر مزید خصوصیت کا اظہار کیا گیا جو کہ سورۃ البقرۃ کی آیت میں نہیں ہے۔

دوسرا سوال یہ کہ دونوں آیات کا آخری حصہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

سورۃ البقرۃ کے آخر میں فرمایا:

﴿فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۹۳﴾

اور سورۃ الانفال کے آخر میں فرمایا:

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۳۹﴾

تو اس کی کیا وجہ ہے؟

دونوں سوالات کا جواب یہ ہے کہ سورۃ البقرۃ میں خاص طور پر اہل مکہ کا ذکر ہے جو نبی ﷺ سے دشمنی کا اظہار کر رہے تھے اور ان تمام لوگوں کو ظلم و زیادتی کا نشانہ بنا رہے تھے جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے تھے' انہیں گھروں سے دھتکار رہے تھے۔ اس لیے اس ظلم کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان سے قتال کرنے کو جائز ٹھہرایا۔ سورۃ الحج میں وہ پہلی آیت اتری جس میں قتال کی اجازت دی گئی ہے۔ فرمایا:

﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ﴾ (آیت ۳۹)

’’جن (مسلمانوں) سے (کافر) جنگ کر رہے ہیں انہیں بھی مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے' کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔‘‘

اور سورۃ البقرۃ کی مذکورہ آیت سے پہلے ارشاد فرمایا:

﴿وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ﴾ (آیت ۱۹۰)

’’اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑائی کرو جو تم سے لڑائی کرتے ہیں۔‘‘

اور پھر فرمایا:

﴿وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ﴾ ’’اور زیادتی نہ کرو'‘

یعنی واضح کر دیا کہ صرف انہی لوگوں سے لڑائی تک محدود رہو جو تم سے لڑائی کرتے ہیں۔ پھر فرمایا:

﴿وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ﴾ (آیت ۱۹۱) ’’اور انہیں جہاں کہیں بھی پاؤ' قتل کر ڈالو۔‘‘

یہاں بھی وہی خاص لوگ مراد ہیں جن سے کلام کا آغاز ہوا ہے۔ اور یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا:

﴿وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ﴾ (آیت ۱۹۱)

اور پھر اس بات کو ملاحظہ کریں کہ یہ قتال کس لیے تھا؟ اسی لیے نا کہ وہ اسلام کے سوا ہر چیز کو چھوڑ دیں اور دین میں داخل ہو جائیں' اس لیے اگر وہ بظاہر کلمۂ شہادت پڑھ لیں اور اسلام کا اظہار کرنا شروع کر دیں تو ایسی صورت

میں ان سے قتال کرنا جائز نہیں رہا بلکہ ان کے باطن کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے‘ اور اس مفہوم کے اعتبار سے آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا:

﴿فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۳۹﴾ (الانفال)

’’پھر اگر وہ باز آ جائیں تو اللہ دیکھنے والا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔‘‘

یعنی اللہ ان کے اعمال کو بخوبی دیکھتا ہے‘ تمہیں ان کے دلوں کو ٹٹولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور پھر یہ حدیث بھی اس آیت کے مفہوم کو واضح کرتی ہے:

((اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، فَاِنْ قَالُوْا عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَ هُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ)) (بخاری‘ مسلم بروایت ابوہریرۃ‘ ابن عمر اور جابر)

’’مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑائی کروں جب تک کہ وہ لا الٰہ اِلا اللہ نہ کہیں۔ اگر وہ اسے کہہ دیں تو پھر وہ میرے ہاتھوں سے اپنے خون اور اپنے مال کو محفوظ پائیں گے‘ اِلا یہ کہ ان سے کوئی حق متعلق ہو‘ اور پھر اللہ ان کا حساب کرے گا۔‘‘

چونکہ دونوں آیات کا مقصود الگ الگ تھا اس لیے ہر آیت کے آخر میں وہ چیز بیان ہوئی جو اس کے مضمون سے مناسبت رکھتی تھی۔ واللہ اعلم!

❁❁❁

**تصحیح**: گزشتہ شمارے میں ’’ملاك التاويل‘‘ کی قسط کے آخر میں غلطی سے چند سطریں اضافی طور پر شائع ہو گئی تھیں‘ جن کا ربط سابقہ عبارت سے نہیں بنتا۔ قارئین سے گزارش ہے کہ ازراہِ کرم ’’اور سورۂ قٓ کی آیات (۹ تا ۱۱) میں ارشاد فرمایا‘‘ سے آخر تک کی عبارت حذف کر دی جائے۔ یہ عبارت موجودہ قسط میں مربوط طور پر شامل ہے۔ (ادارہ)


شرک کی حقیقت، اقسام اور دورِ حاضر کے شرک سے واقفیت کے لیے مطالعہ کیجیے

**حقیقت و اَقسامِ شرک**

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

اشاعت خاص 100 روپے، اشاعت عام 60 روپے